ابنِ صفی کی یاد میں

سید ابوالخیر کشفی

ڈاکٹر ابوالخیر کشفی علمی و ادبی دُنیا کی نامور شخصیتوں میں سے ایک ہیں؛ بہت کم ایسی تحریریں ہوں گی جو ان کی نظر سے نہ گزری ہوں۔ ڈاکٹر صاحب محترم ابنِ صفی کی تحریروں کے دلدادہ ہیں۔ ابنِ صفی کے متعلق ڈاکٹر ابوالخیر کشفی کا مضمون 'نئے اُفق' کے قارئین کیلئے تحفۂ خاص

ابنِ صفی کی موت کو کتنے برس گزر گئے؛ مجھے نہیں معلوم۔ میں ماہ و سال کے پیمانے سے اُن کی موت کی مدّت کو نہیں ناپ سکتا اور پھر وہ میرے لیے زندہ ہیں۔ کسی نہ کسی عنوان سے وہ اپنی موجودگی کا احساس دلاتے رہتے ہیں۔ اپنی کتابوں کے وسیلے سے، نیا رُخ اور نئے اُفق کے ذریعے سے۔

زندگی کا دستور ہے کہ ہر خلا بھر جاتا ہے۔ درخت کے تنے سے چھال اُتار لیجیے پھر سے آجائے گی۔ زخم پر کھرنڈ آتا ہے اور پھر زخم بھر جاتا ہے۔ شاخ ٹوٹتی ہے اور پھر اُس کی جگہ نئی شاخ لے لیتی ہے۔ استاد، عہدے دار، امیر، وزیر، سفیر اپنے عہدوں سے سُبک دوش ہوتے ہیں اور اُن کی جگہ نئے لوگ لے لیتے ہیں۔ سُبک دوشی یا موت سے پیدا ہونے والے خلا پُر ہو جاتے ہیں۔ شعر و ادب کی دُنیا میں بھی اسی قانون کی عمل داری نظر آتی ہے۔ پریم چند نصاب کا حصّہ بن گئے اور افسانہ کے قارئین عصمت، منٹو، کرشن چندر، بیدی، احمد ندیم قاسمی اور قرۃ العین حیدر کے حوالے سے اردو افسانہ کو جاننے پہچاننے لگے۔ حاجی لق لق، مُلّا رموزی اور تو اور عظیم بیگ چغتائی ماضی کا حصّہ بن گئے اور آج کے پڑھنے والے طنز و مزاح کو مشتاق یوسفی، کرنل محمد خان، ابنِ انشا، صدیق سالک سے عبارت جانتے ہیں مگر کچھ لکھنے والے پُرانے نہیں ہوتے، زندہ رہتے ہیں۔ بات ہو رہی تھی مزاح نگاری کی، سو، رشید احمد صدیقی، پطرس اور شفیق الرحمٰن (بڑی حد تک شوکت تھانوی بھی) آج کے ادبی منظر نامے کا حصّہ ہیں۔

ابنِ صفی ایسے لکھنے والوں میں امتیازی درجہ رکھتے ہیں۔ میرے پھوپھا ابنِ صفی کے عاشق تھے اور اُن کے کرداروں کو زندگی کے حقیقی کرداروں اور افراد کی طرح سمجھتے تھے۔ ابنِ صفی کے ساتھ اُن کے تعلق کا یہ ورثہ میری طرف منتقل ہُوا اور اب میری بڑی بیٹی کے لیے ابنِ صفی اور عمران، دونوں حقیقت کا کا درجہ رکھتے ہیں۔

بات کو آگے بڑھائیے تو یہ حقیقت سامنے آئے گی کہ اُردو میں اوریجنل اور طبع زاد سنسنی ادب ابنِ صفی کے بعد ایک جگہ ٹھہر نہیں گیا بلکہ مائل بہ زوال ہے۔ ابنِ صفی نے سنسنی ادب کے لیے فضا ہموار کی۔ اُن کے زیرِ اثر اکرم الہ آبادی اور مسعود جاوید نے بھی مسلسل لکھا۔ مجنوں گورکھپوری نے پلاٹ اور جاسُوسیت کی بنا پر اکرم الہ آبادی کو واقعیت سے قریب تر قرار دیا تھا مگر اُن جیسا نقاد یہ بھول گیا تھا کہ اکرم الہ آبادی کا اسلوب، ادبی نہیں تھا اور ادب میں پلاٹ یا قصّہ کی بنا پر کسی کو اہمیت حاصل نہیں ہوتی بلکہ اپنے فنّی رویّے اور اسلوب کی بنا پر کسی کی تحریریں ادب کا حصّہ بنتی ہیں۔ مسعود جاوید بہتر رکھنے والے ہیں اور اُن کی نفسیاتی جاسُوسی کہانیوں میں ابنِ صفی سے زیادہ گہرے نفسیاتی نکتے ملتے ہیں مگر مجموعی طور پر اُن کا اسلوب، تحریر ابنِ صفی کی تخلیقی سطح تک نہیں پہنچتا۔ ادبی طور پر اظہار اثر بھی اکرم سے زیادہ معتبر تھے۔

بات ذرا اپنے دائرے سے نکل گئی۔ میں کہنا یہ چاہتا تھا کہ ابنِ صفی کے بعد وہ فضا جو سنسنی ادب کے فروغ کے لیے سازگار تھی ختم ہو گئی۔ نتیجتاً اب مسعود جاوید، اکرم الہ آبادی اور اظہار اثر نے بھی جاسُوسی ناول نگاری چھوڑ دی۔ اظہار اثر نے تو شاعری اور سماجی افسانے اور ناول کو اختیار کر لیا۔ ابنِ صفی کی اہمیت اور بڑائی اسی نکتے میں پنہاں ہیں کہ اُنھوں نے خوب لکھا اور اُن کے اثر سے دوسروں نے بھی لکھا۔ ابنِ صفی نے سنسنی ادب کو ایک ماحول عطا کیا تھا۔

پچھلے دنوں طلسمِ ہوش رُبا پر لکھتے ہوئے ڈاکٹر عابد رضا بیدار نے یہ نکتہ بیان کیا تھا کہ طویل داستانوں کے لیے عہدِ حاضر کے قاری کے پاس وقت نہ رہا تو اُس نے جاسُوسی ادب کے ذریعے اپنے ذوقِ تجسّس کی تسکین چاہی اور اس سلسلے میں ابنِ صفی کی ذات ایک سنگِ میل ہے۔ بیدار صاحب کی اس تحریر سے مجھے خوشی ہوئی کیونکہ میں کئی برسوں سے داستاں اور جاسُوسی ناول کے رشتے پر زور دیتا رہا ہُوں اور اسے انسان کے ذوقِ تجسّس سے منسلک کرتا رہا ہُوں۔ میری نگرانی میں ایک خاتون نے اس موضوع پر تحقیقی کام کا آغاز بھی کیا تھا مگر اُن کی علالت کی وجہ سے اب تک کام آگے نہ بڑھ سکا، اللہ انھیں صحت دے۔

ابنِ صفی کے اثر کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ بہت سے لکھنے والوں نے اُن کے کرداروں کو اپناتے ہوئے ناول لکھے۔ خاص طور پر عمران کے کردار نے انھیں زیادہ اپیل کیا۔ اظہر کلیم،

ایچ اقبال اور مشتاق احمد قریشی وغیرہ۔ ان کے علاوہ دوسرے لکھنے والوں اور بہت سارے نقالوں کے ہاں تو ابنِ صفی کے کرداروں کی وہ گت بنی کہ عمران، سلیمان کی سطح سے بھی گر گیا۔ ایچ اقبال خاصی صلاحیت رکھتے تھے اور اب مشتاق احمد قریشی عمران سیریز لکھ رہے ہیں۔ انھوں نے ابنِ صفی کو بڑی محنت سے پڑھا ہے اور یہ ابنِ صفی کا فیضان ہے کہ ان کی کہانیاں دلچسپی رکھتی ہیں اور عمران ذرا کمزور لگنے کے باوجود عمران ہی ہے، عمران کا کارٹون نہیں۔ یوں ابنِ صفی ادبی طور پر اس درجہ زندہ ہیں کہ آج بھی دوسروں کی رہنمائی کر رہے ہیں۔

میں عمران کے کردار پر ایک نئے زاویے سے کچھ لکھنا چاہتا تھا۔ ابنِ صفی نے اس کردار، اس کی ناہمواریوں اور تضادات کے لیے ایک پس منظر مہیا کیا ہے۔ میری دانست میں شاید ہی اتنے تضادات رکھنے والا کوئی کردار عمران کی طرح پڑھنے والوں کو اتنا عزیز ہو۔ عمران کی حماقتیں اس کے کردار کو کچھ اور ابھارتی ہیں۔ یہ ایسی بھیڑ بلکہ میمنہ ہے جو انگڑائی لیتا ہے تو بھیڑیا بن جاتا ہے پھر عمران مزاح اور حسنِ مزاح کا نمائندہ ہے وہ ہمیں زندگی گزارنے کا حوصلہ دیتا ہے۔

ان دنوں بم کے دھماکوں کی آوازیں مجھے ابنِ صفی کے اندیشوں، ذہانت اور پیش بینی کی یاد دلا رہی ہیں۔ افغانستان عمران سیریز کے آخری ناولوں میں واضح طور پر موجود ہے۔ زیرو لینڈ اس کے خوابوں اور بڑی طاقتوں کی کش مکش کی ایک ادبی صورت ہے مگر پاکستان کے مسائل اور پڑوس سے ہمارے رشتے کی کہانی تو حقیقی طور پر۔۔۔ ابنِ صفی کے ہاں موجود ہے۔

ایک نازک سی بات آخر میں کہہ دی جائے تو مضائقہ نہیں۔ ابنِ صفی اپنے وطن کے خلاف ریشہ دوانیوں سے خوب واقف تھے۔ انھوں نے ان سازشوں کو بے نقاب کیا۔ یہی نہیں وہ اس بات سے بھی خوش نہیں تھے کہ مشرقِ وسطیٰ کے شیلوخ پاکستان کو اپنی عشرت گاہ کے طور پر استعمال کریں۔ وہ یہاں اپنے شکاری طائفوں، عقابوں اور ہتھیاروں کے ساتھ شکار کو آئیں اور اپنی خیرات سے ہمیں نوازیں۔ ابنِ صفی کو اس صورتِ حال پر دکھ تھا۔ کاش اسلامی ملکوں کا اتحاد مشترکہ صنعتوں مشترکہ خارجہ پالیسی اور مشترکہ دفاع کے امکانات اپنے دامن میں رکھتا۔ بحری یتیم خانے میں شیخوں کے شکار کا تذکرہ دلچسپ انداز میں موجود ہے۔

"عمران سر کھجاتا ہوا بولا" شیخ صاحب!

ہر سال میرے ملک میں خرگوشوں کا شکار کھیلنے آتے ہیں۔ پچھلے سال میں نے ان کے لیے ایک کتے کا رول ادا کیا تھا۔"

"وہ کیسے... وہ کیسے؟" آوازیں آئیں۔

"شیخ صاحب کے پاس بہترین نسلوں کے لاتعداد کتے ہیں، جو ان کے لیے شکار کرتے ہیں۔ ایک دن کسی جرمن سیاح نے اپنے کتوں کے بارے میں شیخ صاحب کے حضور شیخی بگھاری اور دورانِ گفتگو میں شیخ صاحب کی زبان سے کہیں یہ نکل گیا کہ ان کے پاس سبز رنگ کا ایک کتا ہے۔ بات پھیل چکی تھی۔ زبان سے لہٰذا اب اس کی واپسی ناممکن تھی، جرمن اس کتے کو دیکھنے پر مصر ہوا۔ شیخ صاحب پریشان ہو گئے۔ میں نے کہا یا سیدی آپ اسے سبز رنگ کا کتا دکھانے کا وعدہ کر لیجیے، میں مہیا کر دوں گا اور میں نے مہیا کر دیا۔"

"تم جھوٹے ہو... تم جھوٹے ہو" آوازیں آئیں۔

"اب بہل بھی جاؤ دوستو چلو میں جھوٹا ہی سہی۔"

"تمھیں بتانا پڑے گا کہ تم نے سبز رنگ کا کتا کہاں سے مہیا کیا؟"

"میں خود بن گیا تھا۔ کتے کا میک اَپ۔ آپ لوگوں نے جاسوسی ناول تو پڑھے ہوں گے ایک ہفتے تک شیخ صاحب کے پیچھے پیچھے گھومتا پھرا تھا... جرمن نے کہا کہ کتا مصنوعی ہے۔ میں اس کا کیمیائی امتحان کراؤں گا، یہ سنتے ہی میں بھونکنے لگا اور لپک کر اس کی ٹانگ پکڑ لی۔ پھر وہ شیخ صاحب کا پیچھا چھوڑ کر بھاگا ہے تو آج تک اس کا سراغ نہیں مل سکا۔"

ہم یہ اور ایسے ہی رول کب تک ادا کرتے رہیں گے؟

اس سوال کے ساتھ میں آپ سے اجازت چاہتا ہوں، آئیے ہاتھ اٹھا کر بارگاہِ ربّ العزت میں ابنِ صفی کی مغفرت اور بلندیٔ درجات کی دعا کریں۔ ابنِ صفی جب مجبوراً عمران سیریز کی قیمت بڑھاتے تو "چوّنی" کا سوال کرتے۔ آج ان کے لیے آپ سے ایک بار سورۃ فاتحہ اور تین مرتبہ سورۃ اخلاص کی تلاوت اور ایصالِ ثواب کا سوال ہے۔

★ ★